بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہم انصاری نے یہ ناول(اگراور جیتے رہتے ازماہم انصاری)صرف اور صرف نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاہے۔اس ناول(اگراور جیتے رہتے ازماہم انصاری)کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیوایرا میگزین(New Era Magazine)کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے،ڈائجسٹ،سوشل میڈیا،ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کواس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ:نیوایرا میگزین

اسلام علیکم" وہ جاگنگ کر کے واپس لوٹا تھا اور لان میں چہل قدمی کرتی زویا پر نظر پڑتے ہی اس کی سمت چلا آیا۔

"وعلیکم اسلام" اس نے ایک سرسری نظر ٹریک سوٹ میں ملبوس فائز پر ڈالی۔

"حماد نظر نہیں آرہا" اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے استفسار کیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس واقعے کے بعد زویا کا سنبھل جانا حیران کن تھا اور حماد کا اب تک خوفزدہ ہونا فطری تھا۔

"ہاں وہ سو رہا ہے۔ اس کے سر میں درد تھا تو دوا لے کر سو رہا ہے" اس لان کے آخری کونے میں موجود گلموہر کے درخت کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اور اماں؟ ان کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"بہتر ہیں۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے انہیں بھی ناشتے کے بعد دوبارہ سونے کی ہدایت کر کے ادھر آگئی تھی۔ خود میں ایک دفعہ اٹھ جاؤں تو دوبارہ سو نہیں سکتی"

"ہمم! تم نے ناشتہ کیا؟" اس نے ناشتے کی ٹرے دونوں ہاتھوں میں اٹھائے ان کی سمت قدم بڑھاتے حامد کو دیکھا۔

"نہیں" یک لفظی جواب آیا تھا۔

"چلو ساتھ ناشتہ کرتے ہیں" وہ خلاف عادت زویا سے محو گفتگو تھا۔ حالانکہ وہ جب سے یہاں آئی تھی ان کے درمیان گفتگو عموماتب ہی ہوتی تھی جب اماں موجود ہوتیں۔

"چلیں" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے لان کی ایک سمت موجود میز کی سمت بڑھ گئی جہاں حامد ناشتہ سجا کے جا چکا تھا۔

"مجھے تم سے معافی مانگنی تھی" اپنے کپ میں چائے نکالتے ہوئے وہ اصل موضوع کی سمت آیا۔

"مجھے بھی" امید کے برعکس جواب آیا تھا۔ فائز نے حیرت سے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا جہاں ڈھیروں سکون نظر آرہا تھا۔

"تمہیں؟ کیوں؟" وہ ناسمجھی سے گویا ہوا۔

"اس دن میں نے جس طرح ری ایکٹ کیا شاید مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مانا کہ وہ انکشاف حیرت انگیز اور کسی حد تک خوف زدہ کردینے والا بھی تھا مگر اتنے عرصے آپ کے گھر رہنے کے بعد مجھے اتنا تو آپ کو سمجھنا چاہیے تھا کہ آپ کو اپنے ہی گھر سے چلے جانے کا فیصلہ نا کرنا پڑتا۔ آپ نے بھی ہم پر کم احسان نہیں کیے۔ ہمیں جس وقت صرف ایک چھت کی ضرورت تھی آپ نے ہمیں ایک ماں کا سایہ بھی دیا۔ حویلی سے

نکلنے کے بعد میں ان آسائشات کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی" وہ پہلی دفعہ اپنے بارے میں بات کر رہی تھی اور اس کی بات فائز کی سوچوں کے لیے ایک نیا در وا کر گئی تھی۔

"حویلی؟" اس کے ذہن میں پہلا سوال یہی ابھرا تھا جسے زبان تک لانے میں اس نے دیر نہیں کی تھی۔

"میں کوئی بھکارن نہیں تھی فائز! حالات نے مجبور کیا تھا۔ میرے والدین کون تھے میں نہیں جانتی۔ میں نے جب ہوش سنبھالا خود کو آغا جان اور بی جان کے سائے میں حویلی میں پلتا پایا۔ ان دونوں نے مجھے ایک یتیم خانے سے اڈاپٹ کیا تھا۔ بعد میں اللہ نے انہیں حماد کی صورت ایک بیٹا دے دیا مگر اس سے میرے لیے ان کی محبت میں کوئی کمی نا آئی" وہ ماضی کی یادوں کے زنگ زدہ در وا کرتے ہوئے ان کی بھول بھلیوں میں کھوتی جا رہی تھی۔

"جب میں میٹرک میں پہنچی تب آغا جان نے میری منگنی اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دی۔ ارحم اس شادی پر راضی نہیں تھا مگر آغا جان کے سامنے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ کچھ کہہ سکے۔ آغا جان کو میں نے اس فیصلے سے باز رکھنا چاہا مگر وہ میرا مستقبل محفوظ کر دینا چاہتے تھے۔ مجھے لگتا ہے فائز جیسے موت کی سمت قدم بڑھاتے انسان کو موت کی

آہٹیں پہلے ہی سنائی دینے لگتی ہیں "زویا کی آنکھوں میں نمی کی چمک بہت واضح طور پر دیکھی جاسکتی تھی۔

"ایک دن شہر سے گاؤں واپس آتے وقت آغا جان اور بی جان کا ایکسڈنٹ ہو گیا اور وہ دونوں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔اس دن سے میری زندگی کے اجالے سیاہی میں بدلنے لگے "اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی تھی جبکہ فائز خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

"چچی جان کے تعنوں کی شروعات یہیں سے ہوئی۔کوئی نہیں تھا جو ہمارے آنسو پونچھتا۔ان دنوں حماد کو سنبھالنا بہت مشکل تھا۔ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھی تھے مگر ہم دونوں ہی ایک جیسے بے بس بھی تھے۔ارحم جو پہلے ہی اس منگنی کے حق میں نہیں تھا موقعہ ملتے ہی منگنی توڑ کر کراچی چلا گیا اور پھر ایک دن چچا جان میرے لیے اپنے کسی دوست کا رشتہ لے آئے۔میں تب بھی خاموش رہی مگر حماد کو خاموش نا کروا سکی۔وہ کم عمر لڑکا زندگی کی بے رحمی کی بدولت کم عمری میں ہی بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔اس وقت وہ بڑے بھائی کی طرح میری ڈھال بنا مگر تھا تو وہ بچہ ہی۔ کیسے ان منجھے ہوئے شکاریوں کا مقابلہ کرتا؟حماد کے اسرار پر میں نے عین نکاح کے وقت انکار کر دیا اور چچا نے مجھے اسی وقت حویلی سے نکل جانے کو کہا۔میں منتیں کرتی

رہی۔ان کے پاؤں پکڑ کر رحم کی بھیک مانگی مگر جن کے دل پتھر ہو جائیں انہیں کسی طرح رحم آسکتا ہے؟تب حماد بھی میرے ساتھ اس حویلی سے نکل آیا۔میری تو وہاں صرف یادیں تھیں حماد تو اپنا حق بھی چھوڑ آیا اور وہ شاید یہی چاہتے تھے۔ان کے ایک ساتھ دو فائدے ہوئے۔مجھ سے جان چھوٹ گئی اور جائداد کا بٹوارہ ہونے کا خوف جس انہیں دن تات ستاتا تھا وہ بھی ختم ہو گیا"وہ ایک گہری سانس لے کر یادوں کی بھول بھلیوں سے نکل کر واپس حال کی دنیا میں آئی۔

"تم نے حماد کو سمجھایا نہیں؟"وہ جو اتنی دیر سے خاموش تھا پوچھے بغیر نارہ سکا۔

"بہت سمجھایا۔میرا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔میں خود پر ہر طرح کی تکلیف سہہ سکتی تھی مگر حماد کو تکلیف میں دیکھنا میرے بس سے باہر تھا۔لیکن حماد نہیں مانا۔میرا ایف۔ایس۔سی ادھورا رہ گیا۔حماد کی پڑھائی بھی چھوٹ گئی۔کئی کئی دن ہم نے فاقے سے گزارے۔کسی رشتے دار نے ہمارا ساتھ نہیں دیا۔پھر میں نے لوگوں کے گھر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا مگر یہاں بھی قسمت نے ساتھ نا دیا۔اکیلی لڑکی کو دیکھ کر انسان کو شیطان بنتے دیر نہیں لگتی۔پھر ہم نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی"زویا نے خاموش ہو کر چائے کو دیکھا جو سامنے پڑی پڑی کپ کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"یہ سب بتانے کا صرف ایک مقصد تھا" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئی۔ وہ جو سوچ کے سمندر میں ڈبکیاں لگا رہا تھا اس کی آواز پر دوبارہ زویا کی سمت متوجہ ہوا۔

"زندگی ہر انسان کا امتحان لیتی ہے۔ یہ جو دنیا ہے اس میں موجود لوگوں میں ہر شخص اپنے اندر ایک کہانی لیے پھر رہا ہے۔ ہر ایک کو لگتا ہے اس کی داستان زیادہ تکلیف دہ ہے جبکہ دکھوں سے آزاد کوئی بھی نہیں۔ ہر ایک نے زندگی کے سفر میں کچھ ہارا کچھ کھویا ہوتا ہے" اس نے پلیٹ سے بسکٹ اٹھاتے ہوئے فائز کے بے تاثر چہرے کو دیکھا۔ وہ بہت خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے گول میز کے بیچوں بیچ رکھی چائے کی کیتلی پر نظریں ٹکائے بیٹھا تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ نے بھی دکھ جھیلے ہیں۔ اپنی محبت اپنے ہاتھوں کھو دینے کی اذیت انسان کو توڑ کر رکھ دیتی ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ ناامیدی کے اس جنگل سے نکل کر امید کی روشن وادی میں قدم رکھیں" اس کی دھیمی نرم آواز فائز کے تھکے ذہن کو سکون پہنچا رہی تھی۔

"یہ اتنا آسان نہیں ہے" وہ آنے والے وقت سے خوف زدہ تھا۔

"ہم جب تک اپنے ساتھ امید کا دیا روشن رکھتے ہیں ہمیں زندگی کے راستے نظر آتے رہتے ہیں اور جیسے ہی امید کا یہ دیا بجھتا ہے ہمیں موت کی کالی کھائی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا" زویا نے دوسرے کپ میں کیتلی سے گرم چائے نکالتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا۔یہ وہ شخص تھا جس کے چہرے سے کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا مگر آغا جان کے بعد یہ شخص ہی وہ پہلا مرد تھا جس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اسے اپنی زندگی سے عزیز محسوس ہونے لگی تھی۔اس مسکراہٹ کو واپس لانے کے لیے بہت حوصلے اور ہمت کی ضرورت تھی اور زویا کو وہ حوصلہ بھی اس شخص کا چہرہ ہی دیتا تھا جس پہ اس وقت زمانے بھر کی تھکن چھائی ہوئی تھی۔

****

"اماں!" وہ ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھامے کمرے میں داخل ہوا۔خالدہ بیگم نے چشمہ اتار کر میز پر رکھتے ہوئے اس کی روشن پیشانی کو دیکھا۔

"آؤ بیٹا! میں کل رات تمہارا انتظار کرتی رہی مگر تمہارا کچھ پتا ہی نا تھا" اس کے سر پر اپنا نحیف ہاتھ پھیرتے ہوئے ان کی زبان سے شکوہ پھسلا۔فائز نے بستر پر کھانے کی ٹرے احتیاط سے رکھتے ہوئے ان کے کمزور وجود کو دیکھا۔اس کو آج بھی ان سے اپنی پہلی ملاقات یاد تھی۔

"ارے! ارے آنٹی! دھیان سے۔لائیں یہ مجھے دے دیں" وہ سامان سے لدی پھندی دکان کے باہر کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں جب ان کا پاؤں پھسلا اور وہ سامان سمیت زمین بوس ہونے والی تھیں جب فائز نے انہیں سہارا دے کر گرنے سے بچایا تھا۔

"شکریہ بیٹا! آج طبیعت ذرا مضمحل سی ہے۔نجانے کیا بات ہے" فائز نے ان کے ہاتھ سے تمام بیگز لے لیے تھے۔اب وہ کچھ ہلکی پھلکی ہو کر آرام سے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس سے ایسے بات کر رہی تھیں جیسے اسے برسوں سے جانتی ہوں۔

"اس عمر میں آپ کیوں نکل آئیں یہ سب خریدنے؟ کسی اور کو بھیج دیا ہوتا" فائز کی بات پر تیزی سے آگے بڑھتے ان کے قدم رک گئے تھے۔ماتھے پر تیوری چڑھا کر وہ اس کی سمت مڑیں۔

"کیا کہا؟ اس عمر میں؟ ارے ابھی عمر ہی کیا ہے میری؟ اچھی بھلی تو ہوں۔ابھی میرے ہاتھ پاؤں اس حالت میں ہیں کہ اپنے تمام کام خود کر سکتی ہوں۔مجھے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔لاؤ یہ سامان مجھے دو" انہوں نے اس کی نا نا کے باوجود فائز سے تمام بیگز لے کر سامنے موجود آٹو میں رکھے اور یہ جا وہ جا! وہ کتنی ہی دیر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے دور جستے رکشے کو دیکھے گیا۔

"کیا ہوا بیٹا؟ کچھ پریشان ہو؟" وہ جو تلخ مگر مانوس ماضی کی گلیوں میں چہل قدمی کر رہا تھا اماں کی آواز اسے دوبارہ حال کی دنیا میں واپس لے آئی۔

"جی؟ نن۔۔ نہیں" اس نے خالدہ بیگم کے فکر مند چہرے کو دیکھا پھر زبردستی کی مسکان ہونٹوں پر سجا کر گویا ہوا۔

"نہیں بس آپ کی فکر ہے مجھے۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں تو میری تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں گی" اس نے نوالا بنا کر اماں کی سمت بڑھایا۔

"میں کھالوں گی فائز! اتنے پریشان کیوں ہو؟ میں ٹھیک تو ہوں"

"کاش آپ کو اس وقت معلوم ہوتا کہ میں فائز میر آپ کے پاس کیا کرنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ کاش آپ اس وقت مجھے پزیرائی نا بخشتیں۔ آپ تو کل جتنی بے خبر تھیں آج بھی اتنی ہی بے خبر ہیں اور میں! کل بھی آپ کا مجرم تھا، آج بھی آپ کا مجرم ہوں" نجانے کیوں اب بات بے بات اس کی آنکھیں بھیگ جایا کرتی تھیں۔ حالانکہ وہ کبھی بھی ایک کمزور مرد نہیں رہا تھا۔

"فائز!" وہ ایک بار پھر اس کا کاندھا ہلا کر اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔

"جی اماں!" وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے رسان سے گویا ہوا۔

"کہاں گم ہو؟"

"کہیں نہیں اماں! میں بس سوچ رہا تھا کہ آج کا سارا دن آپ کے نام کر دوں پھر لندن جانے کے بعد کہاں یہ موقعہ نصیب ہو گا" وہ ہنوز نوالے بنا بنا کر ان کے منہ میں ڈال رہا تھا۔

"ہاں چاہتی تو میں بھی یہی تھی" اس کی بات پر ان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"تو کہا کیوں نہیں آپ نے؟" فائز نے اپنے چہرے پر مصنوعی ناراضگی طاری کی۔

"بیٹا! میں جانتی ہوں تم مصروف ہوتے ہو۔اب ہر وقت تو مجھ بڑھیا کے ساتھ اپنا وقت برباد نہیں کر سکتے نا؟ تمہیں کتنے کام ہوتے ہیں۔پہلے ہی تمہیں میری وجہ سے اتنی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔اب بھی میری وجہ سے لندن سے بھاگے بھاگے آئے ہو" وہ گاجر کا ٹکڑا فائز کے منہ میں ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں اماں؟ بیٹا ہوں میں آپ کا۔یہ سب مت سوچا کریں۔بس حکم کیا کریں" اس نے پورے دل سے کہا تھا۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے۔میں نے اپنی عائزہ کے نصیب کے لیے بہت دعائیں کی تھیں۔تم ان ہی دعاؤں کا صلہ ہو" وہ اور بھی جانے کیا کہہ رہی تھیں جبکہ وہ ایک بار پھر حلق میں اٹکتے آنسوؤں کے گولے کو اندر ہی کہیں اتارنے کی کوششوں میں جتا ہوا تھا۔کسی کا بھروسہ توڑنا اور پھر اس کے بعد اپنی وجہ سے ہونے والے نقصان کو کھڑے

ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھنا کتنا مشکل ہے یہ فائز میر نے اس لمحے میں جانا تھا۔اس نے جو آگ عائزہ کی زندگی میں لگائی تھی اس آگ نے کب اس کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا وہ جان ہی نا سکا۔معلوم تو تب ہوا جب شیرازہ بکھر چکا تھا۔باقی تھی تو صرف راکھ اور وقت کے ساتھ نجانے کیوں اس راکھ سے دھواں اٹھنے لگا تھا جو اس کی آنکھوں کے لیے تکلیف کا سبب بنے جا رہا تھا۔وہ کوئی بھی منظر دیکھتا اسے تکلیف ہی ہوتی تھی۔اس وقت بھی وہ تکلیف کی انتہا پر کھڑا تھا مگر ہائے ری قسمت! اس کے ہونٹ پھر بھی مسکرا رہے تھے۔

****

"مجھے اماں کا علاج کروانا ہے" وہ لندن واپس آ چکا تھا اور واپس آتے ہی بہتر سے بہترین سائکاٹرسٹ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔اسے اپنے آفس تک کا ہوش نا تھا۔اور تو اور وہ وجدان کو بھی بھلائے بیٹھا تھا۔آج بالآخر وجدان خود ہی اس سے ملنے فائز کے گھر چلا آیا تھا۔اسے دیکھتے ہی فائز کو جیسے یاد آیا کہ اس کے پاس اپنے دل کے غبار کو باہر نکالنے کے لیے ایک دوست موجود ہے۔

"تمہیں اب خوف نہیں آ رہا؟" وجدان کے انداز میں کوئی تجسس نا تھا۔یوں جیسے وہ پہلے ہی اس کا جواب جانتا ہو۔

"تمہیں معلوم ہے مجھے اب کس شے سے سب سے زیادہ خوف آتا ہے؟" فائز کافی کا سپ لیتے ہوئے گویا ہوا۔ وہ دونوں اس وقت لاؤنج میں بیٹھے کافی اور ایپل پائی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"شاید میں جانتا ہوں" جواب بالکل اس کی توقع کے مطابق تھا۔ وہ وجدان ہی کیا جو اس کے ذہن کو پڑھ نا پاتا۔

"مجھے معلوم تھا" فائز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ جب سے اس نے اماں کا علاج کروانے کا فیصلہ کیا تھا ذہن پر پڑا ایک بوجھ کسی قدر کم ہو چکا تھا۔

"تم نے ہی تو سکھایا ہے وجدان! کہ اس دنیا کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آخرت ہی سب کچھ ہے۔ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اس دنیا میں ہی چاہیے تاکہ جب میں موت کے بعد دوبارہ جگایا جاؤں تو گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہوں" وجدان خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ جانتا تھا فائز بدل چکا ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا مگر وجدان اس کو حوصلہ نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے اپنے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

"فائز!" ایک لمبی خاموشی کے بعد وجدان نے اسے پکارا۔ فائز کچھ کہنے کے بجائے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے نا؟ کہ وہ تمہیں معاف کر دیں؟" ایک موہوم سی امید جو وجدان کے دل میں موجود تھی آج زبان سے الفاظ کی صورت باہر نکل آئی تھی۔ اس کی بات پر فائز چند لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر جو ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا۔

"ہنس کیوں رہے ہو تم؟" فائز کی ہنسی نے اس کی الجھن مزید بڑھا دی تھی۔

"تم؟ تم سوچتے ہو کہ وہ عورت جس کا کل اثاثہ اس کی اکلوتی بیٹی تھی وہ اس بیٹی کا خون معاف کر دے گی؟" ہنستے ہنستے فائز کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ اس نے نم آنکھوں کو ہاتھ کے پوروں کی مدد سے صاف کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں وجدان! میں اب انسانوں سے امید وابستہ نہیں کیا کرتا۔ اللہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ ظرف صرف اسی کا ہے۔ ہم انسان تو اپنے خوابوں کا قتل معاف نہیں کرتے وہ تو ان کے خوابوں کی تعبیر تھی" اس کے چہرے پر اس کے دل کی تکلیف دیکھی جا سکتی تھی مگر ہر شخص کے پاس کہاں وجدان جیسی نظریں ہوتی ہیں۔

"تم نے کہا تم اللہ سے امید لگاتے ہو۔ تم اس سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ وہ چاہے تو کچھ بھی ممکن ہے" وجدان امید چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں !اس میں کوئی شک نہیں مگر یار !اب زندگی بوجھ محسوس ہوتی ہے اور میں اس بوجھ کو جلد از جلد اتار پھینکنا چاہتا ہوں" فائز کا لہجہ سپاٹ تھا۔ وجدان نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر بس اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔

"میری سائیکاٹرسٹ سے بات ہوئی تھی۔ میں چند دنوں میں اماں کو یہاں بلوانے والا ہوں۔ تم سے ایک فیور چاہیے" وہ چند لمحوں بعد گویا ہوا۔

"بولو۔ تم جانتے ہو میں انکار نہیں کروں گا"

"میں علاج کے دوران اماں کو اپنے پاس رکھوں گا مگر صحت یاب ہونے کے بعد وہ ایک لمحے کے لیے بھی میرا ساتھ گوارا نہیں کریں گی۔ تم انہیں پاکستان پہنچا دینا۔ وہ زویا اور حماد کے ساتھ خوش رہیں گی" اذیت کی حد کیا ہوتی ہے وہ فائز میر سے پوچھنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس شخص کو پچھلے ایک سال سے جانتا تھا اور اس نے اس سے زیادہ رحم دل اور سچا کسی کو نہیں پایا تھا۔ وہ اس کا ماضی بھول چکا تھا مگر فائز اپنا ماضی نہیں بھول سکتا تھا۔ شاید گناہگاروں کی یہی سزا ہوتی ہے۔ وہ اپنا جرم نا بھی قبول کریں تب بھی احساس جرم انہیں پل پل اذیت پہنچاتا رہتا ہے۔

"اور تم؟" بہت مشکل سے یہ سوال وجدان کے لبوں تک آیا تھا۔

"ان کا ہر فیصلہ قبول ہو گا"اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہنوز موجود تھی۔کون شخص ہو گا جو موت سے پہلے اس طرح مسکرانے کی ہمت رکھتا ہو؟ کیا اس جیسا کوئی اور بھی تھا؟ یا وہ ایک ہی بنایا گیا تھا جو جلد ضائع ہونے والا تھا۔

****

"میں نے حامد سے تمہارا فارم لانے کے لیے کہا تھا۔وہ لے آیا ہے؟"آج وہ کافی دنوں کے بعد کیفے نیر و میں آیا تھا اور یہاں قدم رکھتے ہی اسے عائزہ حد سے زیادہ یاد آنے لگی تھی۔چند لمحوں میں ہی اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہو گی اور وہ اس جگہ یہ الوژن افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔اسی لمحے اسے زویا کا خیال آیا تو اس نے پاکستان کال ملا ڈالی۔

"جی وہ لے آیا تھا۔مگر آپ نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں؟"وہ حیران تھی۔فائز میر سے اسے اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔

"تم پڑھنا نہیں چاہتی؟"وہ الٹا اس سے سوال کر رہا تھا۔

"چاہتی ہوں مگر۔۔۔۔!"وہ جیسے کسی تذبذب کا شکار تھی۔

"مگر کیا؟"فائز نے استفسار کیا۔

New Era Magazine

"میں آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ میں یہ کیسے گوارہ کر سکتی ہوں کہ ۔۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکی تھی۔ فائز خاموشی سے اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

"آپ میرے کون ہیں؟ اور میرے لیے اتنا سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟" گہری سانس لے کر جیسے اس نے آج صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے تمہارے لیے؟" وہ ایک بار پھر جواب دینے کے بجائے سوال کر رہا تھا۔

"معلوم نہیں آپ کو واقعی احساس نہیں یا آپ اپنے احسان دوہرانا نہیں چاہتے مگر مجھے اچھی طرح احساس ہے۔ جب میرے پاس سر چھپانے کے لیے چھت نہیں تھی آپ نے مجھے یہ محل عطا کیا۔ میرے بھائی کی پڑھائی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ آپ نے اسے مہنگے ترین اسکول میں داخلہ دلوایا۔ میں اپنی ماں کھو چکی تھی۔ اپنا گھر، اپنا سب کچھ۔ اپنے گھر اور ایک ماں کے سایے کا احساس آپ کی بدولت ملا ہے مجھے۔ جب میں سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئی تھی آپ نے فکر معاش سے مکمل آزاد کر دیا۔ مجھے معلوم بھی نہیں ہے کہ حماد کی فیس کتنی ہے۔ میرے ہزار دفع پوچھنے پر بھی آپ نے نہیں بتایا۔ میں کام کرنا چاہتی تھی آپ نے کرنے نہیں دیا۔ مجھے بتائیں کیا رشتہ ہے آپ کا مجھ سے اور حماد سے؟" وہ بولی تو بولتی چلی گئی تھی۔ شاید اس کی سماعتیں من

چاہے الفاظ سننا چاہتی تھیں۔شاید اس کی آنکھوں کو اب خوابوں کی تعبیر پانے کی چاہت ستانے لگی تھی۔

"حماد بھائی ہے میرا"اس نے پورے دل سے کہا تھا۔اس نے پہلے روز سے اسے اپنا بھائی ہی سمجھا تھا۔

"اور میں ؟"اس کی زبان سے سوال پھسلا۔

"تم بھی" یہ وہ آخری جواب تھا جس کی وہ فائز میر سے توقع کر سکتی تھی۔وہ چند لمحے سکتے کے عالم میں منہ کھولے کھڑی رہی پھر اشتعال کے عالم میں کان سے فون ہٹا کر آف کر دیا۔

"بھائی !"زویا کو ایسا لگا جیسے اس نے کڑوا کریلا چبا لیا ہو۔

"آخر یہ شخص سمجھتا کیا ہے خود کو؟"فون بیڈ پر پٹخ کر وہ کمرے میں ادھر سے ادھر چکرانے لگی۔

"بھائی! تمہارا"اندر کوئی اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"ساری میری غلطی ہے۔میں نے پوچھا کیوں؟معلوم ہے اس سڑے ہوئے بینگن سے ایسا ہی جواب مل سکتا ہے"وہ بری طرح جلبلا رہی تھی۔

"افففف! میں نے پوچھا ہی کیوں؟" اس نے تھک کے بیڈ پر بیٹھ کر چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔

"کیا سوچتا ہو گا میرے بارے میں" اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

"بہن!" نا جانے کون تھا جو اس کے اندر بیٹھ کر اس ہی کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"بہن!" اس نے یوں دانت کچکچائے جیسے دانتوں کے بیچ فائزمیر موجود ہو۔ بے بسی کی انتہا تھی۔ وہ پہلے بھی جانتی تھی وہ لاحاصل کی تمنا کر رہی ہے مگر آج وہ امید بھی ختم ہو گئی تھی جو اس کا اندر باہر روشن رکھتی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کا غصہ اذیت میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ آنکھوں سے کب آنسو رواں ہوئے اسے معلوم ہی نا چلا۔

****

(جاری ہے)

****

نوٹ

اگراور جیتے رہتے پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیاے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہوا گر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تا کہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ(نیوایرا میگزین)

New Era Magazine